رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سفر طائف: سیرۃ النبی سے ماخوذ چند اسباق

Prophet Muhammad's (p.b.u.h.) visit to Taif: Some Important life lessons from Seerat-un-Nabi

Dr. Hafsa Nasreen
Assistant Professor
Department of Urdu Encyclopedia of Islam
University of the Punjab, Lahore
Email: Dr.hafsa105@gmail.com

Abstract
Sirah is a source of information about Prophet Muhammad p.b.u.h. but it teaches us the skills to lead a successful and meaningful life. We can learn valuable lesson from every event and incident of Prophet Muhammad's life. One example is his (p.b.u.h.) visit to Taif. It was a very painful experience for him but we can learn very important lesson and skills for our daily life. We learn that: One who has a purpose can face problems, bear losses and rise above all circumstances; that every matter of life should be dealt with Hikma and wisdom; that Allah opens a new door when all the doors seem closed; that Dua (prayer) is the most powerful weapon of a Muslim; that one should use all the means and sources, make all efforts and let Allah do the rest; that when one tries sincerely Allah Almighty consoles his pain etc. This paper deals with some of the lesson we learn from Prophet Muhammad's (p.b.u.h.) visit to Taif. It teaches as to live with a clear WHY and to be patient for that purpose and that difficulty entails opportunity. But these lesson could only be learnt when we study Sirah seriously with sincerity and keenness.
Keywords: Sirah, life lessons, purposefulness

ابتدائیہ:

ختم الرسل، مہبط وحی حضرت محمدؐ کی حیات اقدس کا ہر لمحہ ہر مسلمان کے لیے اسوۂ حسنہ اور نجات کا ضامن ہے۔ آپؐ کے ہر فرمان، عمل، سکوت اور رد عمل میں ہمارے لیے موعظت و نصیحت کا جہانِ پوشیدہ اور ایک با معنی، پر سکون زندگی بسر کرنے کے لیے رہنما اصولوں کا مخزن ہے۔ بشر طیکہ ہم دیدۂ بینا سے اوراقِ سیرت کا مطالعہ کریں اور اسے اپنے لیے رہنما گردانیں۔ انھی میں سے ایک آپؐ کا سفر طائف ہے۔ یہ سفر آپؐ نے ۱۰ نبوی میں کیا۔ اپنی دو عزیز ترین ہستیوں کی وفات کے رنج و ملال میں گھِرے اور مکہ مکرمہ کی سر زمین کو ایمان و اسلام کے لیے مزید زرخیز نہ پاتے ہوئے نیز اپنے مشن کی بے تحاشہ مخالفت و مزاحمت کے پیشِ نظر اس کے لیے کسی ساز گار ماحول کی تلاش میں آپؐ طائف کی جانب عازم سفر ہوئے۔ وہاں پیغام حق دیا جس کی نہ صرف شدید مخالفت ہوئی بلکہ آپؐ کو شدید جسمانی

و ذہنی اذیت کا سامنا ہوا۔ سخت مخالفت کے باوجود آپؐ نے دس دن وہاں گزارے اور ہر بڑے آدمی تک اپنا پیغام پہنچا کے مکہ مکرمہ واپس لوٹ آئے۔ آنجنابؐ نے اسے اپنی زندگی کا سخت ترین وقت قرار دیا۔ ایک بار حضرت عائشہ صدیقہؓ نے حضور اکرمؐ سے پوچھا کیا آپؐ پر کوئی دن احد کے دن سے بھی زیادہ سخت گزرا ہے؟ آپؐ نے فرمایا "تمھاری قوم (قریش) کی طرف سے میں نے کتنی مصیبتیں اٹھائی ہیں لیکن اس سارے دور میں عقبہ کا دن مجھ پر سب سے زیادہ سخت تھا یہ وہ موقع تھا جب میں نے (طائف کے سردار) عبدیالیل بن عبد کلال کے ہاں اپنے آپ کو پیش کیا تھا لیکن اس نے میری دعوت کو رد کر دیا۔ میں وہاں سے انتہائی رنجیدہ ہو کر واپس ہوا۔[1] اس سفر کے پس منظر، اس کے عزم و قصد سے واپس مکہ مکرمہ لوٹنے تک کی داستان عزیمت کی ایک عدیم النظیر داستان ہے جو بطور داعی تو ہر مسلمان کے لیے اہم ہے ہی لیکن عام روزمرہ زندگی میں بھی مشعلِ راہ ہے۔ اس میں ایک کامیاب و بامراد زندگی بسر کرنے کے لیے بیش بہا اسباق موجود ہیں مثلاً عزم و استقامت، مستقل مزاجی، مصائب کے سامنے ڈٹے رہنا، امید وغیرہ وغیرہ جن کے لیے بالعموم ہم یورپی تحقیقات و تصانیف اور ویڈیوز سے رجوع کرتے ہیں۔

حضور کی سیرت، آپؐ کی حیات مبارکہ کے واقعات کا مطالعہ حضوری قلب و ذہن کے ساتھ کیا جائے تو بلاشبہ یہ احساس ہونے لگتا ہے کہ دنیا بھر میں جہاں کہیں کوئی کامیابی، کوئی آسودگی موجود ہے اس کے اسباب میں سیرت النبیؐ سے استفادہ سرفہرست ہے۔ اقوامِ عالم شمعِ سیرت سے ہی اپنی زندگیوں کو منور کر رہی ہیں گو اپنے مصدر و مرجع کا تذکرہ نہیں کرتیں۔

المیہ یہ ہے کہ مسلمانوں کی اکثریت یا تو مطالعہ سیرت کرتی ہی نہیں یا پھر وہ مطالعہ محض برائے مطالعہ کیا جاتا ہے۔ ہم سیرت کے گنج گراں مایہ سے وہ گوہر نکال نہیں پا رہے وہ اسباق کشید نہیں کر پا رہے جو دنیا و عقبیٰ میں ہمارے لیے فلاح و نجات اور عروج و ارتقاء کا سبب بنیں۔ سوال صرف طلب، تلاش اور سعی کا ہے پھر ساعی پر منحصر ہے کہ وہ بحر سیرت سے اپنا پیمانہ کس حد تک بھرتا ہے۔ وہ اسوۂ حسنہ جس کا ذکر **لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ** میں کیا گیا، زندگی بدل کے رکھ دینے والا اسوہ تبھی ہے جب عمل میں ڈھلے۔

مقالہ ہٰذا میں سفر طائف سے ماخوذ چند عملی اسباق پیش ہیں جو ہماری روزمرہ زندگی میں آنے والی ان بہت سی تحدیات سے نبرد آزما ہونے میں بہت مدد و معاون ہیں جن کے حل کے لیے ہم سیرت سے اغماض برتتے ہوئے Seven Habits of Highly Effective People، 16 Laws of Success کے عنوان سے لکھی گئی سینکڑوں کتب اور Tony Robbins، Jim Rohn، Brain Tracy اور درجنوں دیگر مقررین کی ویڈیوز وغیرہ سے رجوع کرتے ہیں بنا یہ ادراک کیے کہ یہ سارے اسباق، یہ رہنما اصول سیرت النبیؐ میں بتمام و کمال پائے جاتے ہیں۔

سابقہ تحقیقات:

سیرت النبیؐ کا مطالعہ اور اس سے اپنی زندگی کے لیے رہنما اصولوں کا استنباط ہر مسلمان کے لیے کتنا اہم ہے یہ محتاجِ بیان نہیں۔ تاہم بیشتر کتب سیرت میں ہم دیکھتے ہیں کہ واقعات سیرت تو شرح وبسط سے بیان کیے جاتے ہیں لیکن ہم اس سے اپنی روز مرہ زندگی کے لیے کیا اسباق اخذ کرسکتے ہیں بالعموم اس پر کچھ خاص مواد نہیں ملتا۔ چند کتب میں واقعات کے بعد "فقہ السیرۃ" یا "دروس وعبر" کے عنوانات کے تحت چند اسباق درج ہیں۔ تاہم ان کتب کی تعداد بہت کم ہے۔ اس ضمن میں مصطفیٰ السباعی کی سیرۃ المصطفیٰ دروس وعبر قابل ذکر ہے۔ انھی کے تتبع میں سعید علی قحطانی نے رحمۃ للعالمین میں بعض واقعات سیرت کی حکمتیں یا دروس وعبر مجملاً درج کیے ہیں۔ حال ہی میں ادارہ المعارف لاہور سے محمدؐ رسول اللہ کے نام سے ایک وقیع وضخیم دائرہ معارف شائع ہوا ہے۔ اس میں ہر واقعہ کے بعد فقہ السیرۃ کے عنوان کے تحت اس واقعہ سے حاصل ہونے والے بعض اسباق بھی قلم بند کیے ہیں۔ تاہم فقہ السیرۃ کا یہ موضوع ہنوز تشنہ تحقیق ہے اور اس میدان میں بہت کام ہونا ضروری ہے۔ بنابریں موضوع ھٰذا کا انتخاب کیا گیا ہے اور مقالہ ھٰذا میں آپؐ کی حیاتِ مبارکہ کے ایک تلخ ترین واقعہ یعنی سفر طائف سے چند اہم اسباق پیش کرنے کی سعی کی گئی ہے۔

مقالہ ابتدائیے کے بعد دو اجزاء میں منقسم ہے۔

۱۔ حصہ اول بعنوان: سفر طائف پس منظر وواقعات

۲۔ حصہ دوم بعنوان: سفر طائف سے ماخوذ چند اسباق

خلاصہ بحث میں تجاویز وسفارشات پیش ہیں۔

سفر طائف۔ پس منظر اور واقعات:

شعب ابی طالب سے رہائی کے کچھ ہی عرصے بعد رمضان یا شوال ۱۰ نبویؐ میں آپؐ پر غم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا۔[2] آپؐ کے سرپرست، حامی، مؤید اور شفیق چچا سردار ابوطالب کا انتقال ہو گیا اور ان کے تین یا پانچ دن اور بروایت دیگر ایک ماہ کے بعد حضرت خدیجہؓ جیسی ہمدرد، مددگار اور معاون زوجہ کا انتقال ہو گیا۔ یہ دونوں ہستیاں آپؐ کی بہت بڑی ڈھال تھیں۔ حضرت خدیجہؓ مکہ مکرمہ کی ایک بااثر اور ذی رسوخ شخصیت تھیں۔ آپؐ کی نہایت وفا شعار، معاون اور غم گسار شریک حیات جن کی جدائی آپؐ کے لیے بہت تکلیف دہ تھی۔ سردار ابوطالب کی موجودگی، جو آپؐ کی خاطر وقت کے فرعون سے ٹکرا رہے تھے، آپؐ کے لیے طاقت، قوت اور تحفظ کا سبب تھی۔ ان کی وفات کے بعد کفارِ قریش کی جسارت بڑھ گئی۔ وہ رسولؐ اللہ کو شدید جسمانی اذیتیں دینے لگے۔ قبل ازیں انھیں یہ جرأت نہ ہو سکی تھی ان کی ایذا رسانی زبان تک محدود تھی۔ آپؐ نے خود اس امر کا اظہار ان الفاظ میں فرمایا:

"ابو طالب کی وفات تک قریش نے مجھے ایسی کوئی تکلیف نہیں دی جو میرے لیے بار گراں ہوتی"۔[3]

اور ان تکالیف پر آپؐ کے جذبات کیا تھے ان کا اظہار ان الفاظ سے بخوبی ہوتا ہے:

"چچا جان آپ کے بچھڑ جانے کو میں نے کتنی جلدی محسوس کر لیا ہے"[4]

اول اول ابو لہب نے جو جناب ابو طالب کے بعد سردار تھا، خاندانی غیرت و حمیت کے پیشِ نظر آپؐ کی حمایت و سرپرستی کی تاہم جلد ہی کفار کے بہکانے اور بھڑکانے پر آپؐ کی حمایت سے دست کش ہو گیا اور واشگاف الفاظ میں کہنے لگا: "واللہ میں آپؐ کا ہمیشہ دشمن ہی رہوں گا"۔ اس واقعے کے بعد ابو لہب اور دیگر کفار قریش رسول اللہ کے خلاف پہلے سے زیادہ سخت ہو گئے۔[5]

رسولؐ اکرم کو مکہ میں تبلیغ کرتے مدت مدید ہو چکی تھی اور آپ اب سمجھ رہے تھے کہ فی الحال یہ سرزمین اسلام کے لیے کسی کونپل کے کھلنے کے لیے ساز گار نہیں رہی۔ الٹا کفارِ مکہ کی اسلام دشمنی اور ان کی جانب سے ایذا رسانی میں تو شدید اضافہ ہوا[6]۔ وہ اب اشاعتِ اسلام کی راہ میں سنگِ گراں بن کے حائل ہو رہے تھے۔ ایسے میں آپؐ نے بہتر سمجھا کہ مکہ مکرمہ سے نکل کر دعوتِ حق کے دائرے کو وسعت دی جائے۔ اس نئے دعوتی مرکز کی تلاش کے سلسلے میں آپ کی نظرِ انتخاب طائف پر پڑی۔ طائف میں بنو ثقیف آباد تھے۔ حجاز کے پہاڑی علاقے میں واقع اس بلند و بالا، نہایت پر فضا اور سرسبز و شاداب مقام کے باشندوں سے حضور اکرمؐ کو امید تھی کہ وہ آپؐ کی دعوت اور شریعت کو قبول کر لیں گے۔[7]

نبوت کے دسویں سال ماہِ شوال کے آخر میں حضرت زیدؓ بن حارثہ کو ساتھ لے کر دین کی تبلیغ کے لیے طائف کی جانب عازمِ سفر ہوئے۔ دل میں یہ شمع امید روشن کیے کہ اب اسلام کو ایک نیا مرکز میسر آئے گا آپؐ طائف پہنچے۔ آپؐ طائف کے تین سرکردہ افراد، سردارانِ طائف کے پاس تشریف لے گئے۔ یہ تینوں بھائی تھے ان کے نام یہ ہیں: عبد یا لیل بن عمرو بن عمیر، مسعود بن عمرو بن عمیر، حبیب بن عمرو بن عمیر۔ ان میں سے ایک نے ایک قریشی عورت سے شادی کی ہوئی تھی۔ آپ ان کے پاس بیٹھے اور انھیں دینِ اسلام قبول کرنے کی دعوت دی بلکہ یہ بھی بتایا کہ مکہ میں ان کی دعوت پر کس حد تک لبیک کہا گیا اور اہلِ مکہ کی ایذا رسانیاں بھی بالتفصیل بتائیں اور پھر ان سے مطالبہ کیا کہ دعوتِ حق کو قبول کریں اور اہلِ مکہ کے مدِ مقابل آپؐ کے شانہ بشانہ کھڑے ہوں۔ آپؐ کی اس دعوت پر ان کا رویہ بہت ہتک آمیز تھا۔ ان میں سے ایک بولا: "اگر اللہ نے آپ کو رسول بنا کر بھیجا ہے تو سمجھ لیں میں کعبے کا غلاف پھاڑ دوں گا"۔ دوسرے نے کہا: "کیا اللہ کو آپ کے سوا کوئی اور نہیں ملا جسے وہ رسول بنا کر بھیجتا"۔ تیسرے نے کہا: "اللہ کی قسم میں آپ سے کوئی بات نہیں کروں گا اگر آپ اللہ کے رسول ہیں جیسے کہ آپ کہہ رہے ہیں تو آپ بہت عظیم ہیں (لیکن یہ نہیں ہو سکتا) کہ میں آپ سے بات کروں اور اگر آپ اللہ پر جھوٹ بول رہے ہیں تو میرے لیے مناسب نہیں کہ میں آپ سے بات کروں"۔[8]

آپؐ ان کے پاس سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ آپؐ ان کے رویے سے بہت مایوس تھے۔ آپ نے فرمایا:

اذا فعلتم ما فعلتم فاکتمو اعنی۔[9] "تمہیں جو کرنا تھا تم کر چکے اب میرے بارے میں کسی کو مت بتانا"

آپؐ نہیں چاہتے تھے کہ قریش تک یہ خبر پہنچے کہ طائف میں کیا ہوا۔ کیونکہ اس سے اور بھڑک اٹھیں گے اور ان کے مظالم میں اور اضافہ ہو جائے گا۔ انھوں نے اس بات پر بھی آپؐ کا مذاق اڑایا اور جو کچھ آپؐ نے فرمایا تھا اسے ثقیف کے لوگوں میں نشر کر دیا۔[10]

آپؐ اس کے بعد فوراً وہاں سے واپس نہیں لوٹے بلکہ طائف کے مُشرّق بازار میں کھڑے ہو کر دعوتِ عام دی۔ سورہ والطارق کی تلاوت فرمائی۔ ازاں بعد طائف میں دس دن قیام کیا[11] اور طائف کے ہر بڑے آدمی بلکہ ہر ایک تک اپنا پیغام پہنچایا۔ لیکن آپؐ کی دعوت پر کسی ایک نے بھی لبیک نہیں کہا۔ بلکہ انھیں یہ خدشہ لاحق ہو گیا کہ کہیں نوجوان آپؐ کی جانب راغب نہ ہو جائیں اور اسلام قبول نہ کر لیں۔ انھوں نے کہا اے محمدؐ آپ ہمارے شہر سے نکل جائیں اور کسی اور جگہ جا کر دعوت دیں جہاں آپؐ کو پذیرائی ملتی ہے"۔[12] بلکہ یہ تک کہہ دیا کہ آپؐ کے اپنے شہر کے لوگوں نے آپ کی دعوت قبول نہیں کی۔ آپؐ کی اپنی قوم نے آپ کو پسند نہیں کیا تو آپؐ ہمارے پاس لے آئے۔ اللہ کی قسم! ہم آپؐ کی نبوت و رسالت کا انکار کرنے، آپ کی بات رد کرنے اور آپ سے برا سلوک کرنے میں (آپ کی قوم سے بھی) زیادہ سخت ہیں۔[13] اس کے ساتھ ہی انھوں نے اپنے بے وقوف، شریروں اور غلاموں کو آپؐ کے پیچھے لگا دیا۔ وہ آپؐ کو برا بھلا کہنے لگے۔ آپؐ پر آوازیں کسنے لگے۔[14] آپؐ کے راستے میں دو صفیں بنا کے بیٹھ گئے۔ ہاتھوں میں پتھر پکڑ لیے۔ جب آپؐ ان کی صفوں کے درمیان سے گزرے تو انھوں نے سنگ باری شروع کر دی۔ آپؐ قدم اٹھاتے تو وہ پتھر مارنے لگتے اس کے ساتھ ساتھ انھوں نے تضحیک و تمسخر کا مذموم سلسلہ بھی جاری رکھا۔[15] جب آپؐ شدید تکلیف کے سبب زمین پر بیٹھ جاتے تو یہ آپؐ کو دونوں بازوؤں سے اٹھا کر دوبارہ کھڑا کر دیتے اور پھر پتھروں کی بارش کر دیتے۔ آپؐ کی تکلیف دیکھ کر یہ لوگ بہت محظوظ ہو رہے تھے۔[16] مسلسل سنگ باری سے آپؐ کی ٹانگیں لہولہان ہو گئیں۔ آپؐ کے پائے مبارک خون سے رنگین اور جوتے خون آلود ہو گئے۔ حضرت زیدؓ آپؐ کو بچانے کی کوشش میں خود شدید زخمی ہوئے۔ جب وہ آپؐ کے آگے آتے کہ آپؐ کو بچا لیں تو پتھر ان کے سر پر لگتے۔ یوں ان کے سر پر بہت سے زخم آئے۔[17]

طائف کے لوگ آپؐ کے پیچھے لگے رہے حتیٰ کہ آپ کو ایک باغ میں پناہ لینی پڑی۔ یہ باغ ربیعہ کے دو بیٹوں عتبہ اور شیبہ کا تھا۔ حضورؐ انگور کی ایک بیل کے سائے میں بیٹھ گئے۔ ربیعہ کے دونوں بیٹے آپؐ کو دیکھ رہے تھے آپؐ اس وقت زخمی تھے۔ دونوں ٹانگوں سے خون جاری تھا۔ آپؐ نے ان دونوں کو دیکھا لیکن آپؐ ان کے پاس نہیں گئے۔ شدید رنج و حزن کے عالم میں آپؐ اللہ کے حضور فریاد کرنے لگے:

اللھم الیک اشکو اضعف قوتی و قلۃ حیلتی و ھوانی علی الناس یا ارحم الرّحمین انت رب المستضعفین و انت ربی، الیٰ من تکلنی؟ الیٰ بعید یتجھمنی؟ ام الی عدو ملکتہ امری؟ ان لم یکن بک علی غضب فلا ابالی، و لکن عافیتک ھی اوسع لی، اعوذ بنور وجھک الذی اشرقت لہ الظلمات و صلح علیہ الامر الدنیا و الآخرۃ من ان تنزل بی غضبک او یحل علی سخطک، لک العتبی حتی ترضٰی، و لا حول و لا قوۃ الا بک۔[18]

"اے اللہ! میں تجھ سے اپنی کمزوری، بے بسی اور لوگوں کے نزدیک اپنی بے وقعتی کی شکایت کرتا ہوں۔ اے سب رحم کرنے والوں سے بڑھ کر رحم فرمانے والے! تو کمزوروں کا رب ہے تو ہی میرا رب ہے۔ تو مجھے کس کے حوالے کرتا ہے؟ کسی اجنبی کے جو میرے ساتھ ترش روئی سے پیش آئے یا کسی دشمن کے جسے تو نے میری قسمت کا مالک بنا دیا ہے؟ اگر مجھ پر تیرا غضب نہیں تو مجھے کوئی پروا نہیں لیکن تیری عافیت میرے لیے بہت وسیع ہے۔ میں تیرے چہرے کے اس نور کی پناہ چاہتا ہوں جس سے تاریکیاں روشن ہو جاتی ہیں اور جس سے دنیا و آخرت کے معاملے سنور جاتے ہیں کہ تو مجھ پر اپنا غضب نازل کرے یا تیری ناراضی مجھ پر اترے۔ مجھے تیری ہی رضا مطلوب ہے یہاں تک کہ تو راضی ہو جائے۔ تیری ذات کے سوا نہ میرے پاس کوئی طاقت ہے نہ قوت"

عتبہ اور شیبہ نے آپ کی یہ کیفیت دیکھی تو خونِ قرابت نے جوش مارا۔ انھوں نے اپنے عیسائی غلام عداس کو بلایا۔ یہ نینویٰ کا باسی تھا۔ انھوں نے اس سے کہا: اس انگور کی بیل سے ایک خوشہ لے کر اس طباق میں رکھو پھر اسے اس شخص محمد کی خدمت میں لے جاؤ اور انھیں کہو تناول فرمایئے۔ عداس یہ انگور لے کر خدمتِ رسولِ اقدس میں پہنچا اور کہا کھایئے۔ آپؐ نے بسم اللہ پڑھی پھر کھائے۔ بسم اللہ سن کر عداس نے کہا یہ کلمات اس شہر کے لوگ نہیں کہتے۔ آپؐ اور عداس کے مابین کچھ گفتگو ہوئی۔[19] عداس نے جب آپ کا یہ فرمان سنا کہ "یونسؑ میرے بھائی ہیں۔ وہ نبی تھے اور میں بھی نبی ہوں۔ عداس نے آپؐ کے دونوں قدموں کو چوما اور سجدہ ریز ہو گیا۔۔۔ الخ عداس کی محبت و عقیدت دیکھتے ہوئے عتبہ و شیبہ غضب ناک ہوئے اور انھوں نے اس سے اس بارے میں استفسار کیا۔ جواباً اس نے کہا "میں گواہی دیتا ہوں وہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں"۔ انھی عداس نے غزوہ بدر میں عتبہ و شیبہ کو لشکر مکہ میں دیکھ کر روکنے کی کوشش کی کہ اللہ کے رسولؐ سے قتال کرنے کی کوشش نہ کرو اور عاص بن ربیعہ کے استفسار پر عداس نے کہا: "اللہ کی قسم محمدؐ تمام انسانوں کی طرف اللہ کے رسول ہیں۔"

رسولؐ اللہ عتبہ و شیبہ کے باغ سے نکل کر مکہ کی طرف روانہ ہوئے۔ چلتے چلتے قرن ثعالب یا قرن المنازل تک پہنچے جو اہل نجد کی میقات ہے۔ یہاں پہنچ کر آپؐ نے اپنے سر پر ایک بادل سایہ فگن دیکھا جس کے اندر جبریلؑ تھے انھوں نے آپؐ کو آواز دی اور کہا: "آپؐ کی قوم نے آپؐ سے جو کیا اور جو آپؐ کو جواب دیا وہ اللہ نے سن لیا۔ اب اللہ نے ملک الجبال کو آپؐ کے پاس بھیجا ہے تا کہ آپؐ ان کے بارے میں جو چاہیں اسے حکم دیں۔"

پھر ملک الجبال نے آپؐ سے پوچھا" آپؐ چاہیں تو میں ان لوگوں کو دو سنگین پہاڑوں کے درمیان کچل ڈالوں گا"۔ آپؐ نے مثالی رحمت کا مظاہرہ کیا اور فرمایا:

"بل ارجوا ان یخرج اللہ من اصلابھم من یعبد اللہ وحدہ لا یشرک بہ شیئا"[20]

"مجھے امید ہے کہ اللہ ان کی پشتوں سے ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کریں گے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے۔"

رسولؐ اللہ طائف سے مکہ کی طرف لوٹے۔ جب آپؐ وادی نخلہ میں پہنچے۔ رات کے درمیانی حصے میں نماز کے لیے پڑھ رہے تھے۔ آپؐ کے پاس سے جنوں کا گروہ گزرا۔ انھوں نے قرآن کریم سنا۔ جب آپؐ نے نماز ختم کی تو وہ واپس اپنی قوم کی طرف چلے گئے۔ انھوں نے جو سنا اسے قبول کیا اور ایمان بھی لے آئے۔[21] یوں آپؐ کا یہ سفر جنّوں میں اسلام کی تبلیغ کا ذریعہ و وسیلہ بن گیا۔

وادی نخلہ میں کچھ دن قیام کے بعد آپؐ نے مکہ واپسی کا قصد کیا تو حضرت زیدؓ بن حارثہ نے عرض کیا: آپؐ اب اہلِ مکہ کے پاس کیسے جاسکتے ہیں انھوں نے تو آپؐ کو مکہ سے نکلنے پر مجبور کیا تھا؟ آپؐ نے فرمایا: "زید تم دیکھو گے کہ اللہ کیسے کشادگی کرے گا اور کیسے راستہ بنائے گا۔ اللہ اپنے دین کو غالب کرنے والا اور اپنے نبی کی مدد کرنے والا ہے"۔ پھر آپؐ حرا کی طرف چلے گئے۔ ابن سعد کی روایت کے مطابق آپؐ نے عبد اللہ بن اریقط کو قاصد بنایا[22]۔ لیکن طبری کی روایت کے مطابق اہلِ مکہ کے ایک فرد کا آپ کے پاس سے گزر ہوا تو آپ نے اس سے دریافت فرمایا "کیا میرا ایک پیغام پہنچاؤ گے" اس نے کہا "ہاں"۔ آپؐ نے اسے اخنس بن شریق کے پاس پیغام دے کر بھیجا کہ وہ آپ کو پناہ دے گا یہاں تک کہ آپؐ اپنے رب کا پیغام پہنچا دیں؟ اخنس نے پیغام سنا اور کہا کہ میں حلیف ہوں کسی قریشی کو پناہ نہیں دے سکتا۔ وہ قاصد واپس آیا تو آپؐ نے یہی پیغام سہیل بن عمرو کی طرف بھیجا۔ اس نے بھی بنو کعب کے خلاف پناہ نہ دے پانے کا عذر کیا۔ اس کے بعد آپؐ نے یہی پیغام مطعم بن عدی کو بھیجا اس نے یہ پیغام سن کر کہا ہاں میں پناہ دوں گا۔ قاصد نے یہ اطلاع دی تو آپؐ مکہ مکرمہ تشریف لے گئے۔ مطعم نے اپنے بیٹوں کو ہتھیاروں سے لیس ہو کر بیت اللہ کے کناروں پر کھڑے ہونے کی ہدایت کی۔ آپؐ حضرت زیدؓ بن حارثہ کے ساتھ مکہ مکرمہ پہنچے۔ مطعم نے اونٹ پر سوار ہو کر اعلان کیا کہ میں نے محمدؐ کو پناہ دی ہے تم میں سے کوئی ان کی ہجو نہ کرے۔"

رسولؐ اللہ حجر اسود کے پاس تشریف لائے اسے بوسہ دیا اور دو رکعت نماز ادا فرمائی۔ اس کے بعد آپؐ اپنے گھر تشریف لے گئے۔ اس دوران مطعم اور اس کے بیٹوں نے رسولؐ اللہ کو چاروں طرف سے حفاظتی گھیرے میں لے رکھا تھا۔[23]

گزشتہ صفحات میں آپؐ کے سفر طائف کا پس منظر اور واقعات اجمالاً پیش کیے گئے ہیں۔ حصہ دوم میں اس سفر سے ماخوذ چند اسباق پیش ہیں:

حصہ دوم: سفر طائف سے ماخوذ چند اسباق

آپؐ کا یہ سفر متعدد مفیدِ حیات اسباق سکھاتا ہے۔ چند اہم ترین درج ذیل ہیں:

1- مقصدیت زندگی کے بڑے مصائب کو برداشت کرنے کا حوصلہ دیتی ہے

آپؐ کے سفر طائف سے ماخوذ پہلا سبق یہ ہے کہ زندگی میں مقصدیت کا وجود بڑے بڑے مصائب و آلام کے تحمل و برداشت کو ممکن بنادیتا ہے۔ نطشے کہتا ہے:

"He who has a WHY to live for can bear almost every HOW".[24]

روئے زمین پر اس قول کی مجسّم تصویر آپ کی ذات گرامی ہے۔ آپؐ کے پاس زندگی کا ایسا مقصد تھا جو دنیا کی ہر مشکل کو حقیر و آسان بنا دے۔ ایسا مقصد جو انسان کو حکمت، برداشت، اعراض اور بقدر ضرورت بولنا سکھاتا ہے[25]۔ بامقصد اور بامعنی زندگی موت کے خوف سے بے نیاز ہوتی ہے[26]۔ آپؐ کی ذات اقدس اسی کی عکاس ہے آپؐ اپنے شفیق و مُربّی سرپرست اور نہایت وفاشعار، مددگار زوجہ سے دائمی جدائی کے رنج عظیم کے باوجود اپنے عظیم الشان مشن کی تکمیل کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے اور ہمیں سبق سکھایا کہ طلب و سعی کی زندگی بجائے خود زندگی کی سب سے بڑی لذت ہے بشر طیکہ کسی مطلوب کی راہ میں ہو۔[27]

زندگی کو بامعنی بنانے کے لیے ضروری ہے کہ آدمی کے سامنے ایک سوچا ہوا نشانہ ہو جس کی صداقت پر اس کا ذہن مطمئن ہو جس کے سلسلے میں اس کا ضمیر پوری طرح اس کا ساتھ دے رہا ہو۔ جو اس کے رگ وپے میں خون کی طرح اترا ہوا ہو۔ مقصدیت والا آدمی اپنی منزل پر نظر رکھتا ہے[28]۔ لہٰذا حالات کیسے ہی ہوں، کیسے ہی غم اور رنج کے بادل چھائے ہوں اس کا مقصد اس کے قلب و ذہن پر غالب رہتا ہے اور ان حالات سے ابھر آنے کی ہمت دیتا ہے۔ ہر مسلمان کو یہ مقصدِ حیات اللہ نے خود عطا فرمایا ہے۔ یعنی اللہ کی عطا کردہ قوتوں کو اسی کام میں صرف کریں جس میں حضورؐ نے صرف کیا۔ اور وہ کام ہے اللہ کے بندوں اور خاص طور پر غافلوں، بے طلبوں کو اللہ کی طرف لانا، اللہ کی باتوں کو فروغ دینے کے لیے جان کو بے قیمت کرنا[29]۔ تاریخ عالم اور بالخصوص تاریخ اسلام شاہد ہے کہ جن لوگوں کے سامنے بڑے مقاصد اور بالخصوص اعلائے کلمۃ اللہ کا مقصد رہا ہے اپنی ہر پریشانی پر کیسے غالب آتے ہیں۔ مثلاً سلطان صلاح الدین ایوبی کی مثال دیکھیے: ایک روز اثنائے جنگ میں ایک ان کو ایک خط پہنچا جس میں ان کے نوجوان بیٹے شاہزادہ اسمٰعیل کی وفات کی خبر تھی۔ انھوں نے مسلمانوں کو وحشت سے بچانے اور دشمنوں کو اپنی کمزوری کا شائبہ تک نہ پڑنے دینے کے لیے صبر کیا۔ اسی طرح رملہ میں عیسائیوں سے جنگ جاری تھی۔ جب ان کے پاس تقی الدین کے انتقال کی خبر پہنچی۔ انھوں نے ملک

عادل اور علم الدین سلیمان اور سابق الدین اور عزالدین کو اپنے پاس بلایا اور باقی سب لوگوں کو دور ہٹانے کا حکم دیا۔ سب کے جانے کے بعد خط نکالا اور سلطان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے۔ حاضرین بھی رونے لگے۔ بڑی مشکل سے سلطان نے یہ بتایا کہ تقی الدین کا انتقال ہو گیا۔ تھوڑی دیر سب روئے پھر استغفار پڑھ کر خاموش ہو گئے۔ سلطان نے عرقِ گلاب منگوا کر آنکھیں دھوئیں اور کھانا کھایا۔ لشکر میں کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوئی اور دشمن ناکامیاب شافہ کی طرف لوٹ گیا۔ اپنے اعزا کی محبت بھی سلطان کو ان کے کام میں کبھی سست نہیں کرتی تھی[30]۔ مرج عکا میں وہ شدید بیمار تھے۔ ان کی کمر سے لے کر گھٹنوں تک دنبل اور پھوڑے نکلے ہوئے تھے جو بہت تکلیف دہ تھے۔ نہ وہ سیدھے بیٹھ سکتے تھے نہ لیٹ سکتے تھے۔ ایک پہلو پر تکیے کے سہارے بیٹھتے یا سوتے لیکن اس حالت میں بھی دشمن کے لشکر کے قریب خیمہ لگایا ہوا تھا۔ لشکر کی تنظیم خود کرتے، صبح سے مغرب تک گھوڑے پر سوار رہتے اور صفوں کے درمیان گشت کرتے رہتے اور کہا کرتے سوار رہ کر میرا درد کم ہو جاتا اور سواری سے اترنے سے پھر عود کر آتا ہے۔[31]

ایسی ہی ایک مثال شبلی کی ہے جن کے بڑے بھائی کا انتقال ہو گیا۔ وہ اس قدر رنجیدہ تھے کہ ان کے اس دور کے خطوط میں بھی یہی رنج و غم جھلکتا ہے مثلاً: "میرا سب کچھ جاتا رہا"، "آخر ساری دنیا لٹا کے گھر آیا" وغیرہ۔ اس کے باوجود دارالمصنفین اور دارالتکمیل کے لیے بھرپور انداز میں کوشاں رہے۔ ان کے پیشِ نظر ندوہ کی اصلاح، سرائے میر کا انتظام، نیشنل سکول کی تعمیر، دارالمصنفین کا قیام اور سیرت کی تکمیل کی تجویزیں تھیں جن کے لیے وہ اپنے رنج و غم کے باوصف سرگرم عمل تھے۔[32]

2-عزم و مصمم، حکمت عملی و دانائی کا امتزاج کامیابی کی ضمانت ہے:

آپؐ کا یہ سفر ایک اور اہم اصول سکھاتا ہے کہ بلاشبہ محنت کامیابی کی کلید ہے تاہم صرف انتھک محنت کافی نہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ شعور رکھنا بھی بہت ضروری ہے کہ کب تک کسی کام کے لیے کوشش کرنی ہے اور کب اسے ترک کر دینا ہے۔ راستے کی تلاش میں مکھی کی طرح ایک ہی شیشے سے ٹکراتے رہنا دانش مندی نہیں محض صلاحیتوں اور وقت کا ضیاع ہے۔ انسان کو اپنی کوشش کے دائرے کو وسعت دینا چاہیے۔ آپؐ نے دس سال مکہ مکرمہ میں تبلیغ کی۔ ہر ممکنہ طریقے سے دعوت حق کو لوگوں تک پہنچایا۔ اب آپؐ حالات کے پیشِ نظر یہ سمجھ چکے تھے کہ اب نہ صرف یہ کہ مکہ مکرمہ میں مزید کوئی اسلام قبول کرنے والا نہیں بلکہ اب یہ لوگ حجاج یا اسواق العرب میں آنے والوں تک پیغامِ حق کی ترسیل میں بھی مزاحم ہوں گے۔ بنابریں آپؐ نے اپنے مشن اور مقصد سے بددل ہونے کے بجائے ایک نیا مرکز تلاش کرنے کی سعی کی۔ اپنے دعوتی دائرے کو وسعت بخشی۔ یہ آپؐ کے عزم مصمم کی بہت بڑی دلیل ہے۔[33]

پھر طائف میں آپؐ نے ثقیف کے تین سرداروں کے ساتھ ہونے والی بد دل کر دینے والی گفتگو کے باوجود طائف کے ہر بڑے آدمی سے رابطہ کیا۔ ہر ایک کو دعوت الی الحق دی ار پھر دس دن بعد آپؐ نے وہاں مزید کوشش نہیں کی بلکہ طائف سے نکل آئے۔ اس سے اس اہم نکتے پر روشنی پڑتی ہے کہ انسان کو یہ سمجھ ہونی چاہیے کہ اسے کب تک کوشش کرنی ہے اور کب ترک کر دینی ہے[34]۔ آپؐ کی حیاتِ مبارکہ سے اس کی سینکڑوں مثالیں ملتی ہیں:

بقول مولانا وحید الدین کامیاب اقدام وہی کر سکتا ہے جو کامیاب پسپائی کا راز جانتا ہو۔ پیچھے ہٹنا بزدلی نہیں حکمت عملی ہے۔ اپنے لیے طاقت کو پھر سے مجتمع کرنے کا نام ہے۔ اپنی قوت کو مثبت تعمیر کرنے کے لیے لگانے کا نام ہے۔ آپؐ نے حدیبیہ میں واپسی کا راستہ منتخب کیا کیونکہ آپؐ جانتے تھے یہ پسپائی دراصل مستقبل میں بڑی کامیابی کی نوید ہے۔

3- انتہائی مایوس کن حالات میں بھی امید کا چراغ روشن رکھنا چاہیے

طائف کے ہر بڑے آدمی سے بات کرنے کے بعد اور ہر ایک سے ناں سننے کے بعد، ان کے اوباشوں سے پتھر کھانے کے بعد جب بظاہر ان میں سے کسی کے مشرف بہ اسلام ہونے کی کوئی امید باقی نہ تھی تب بھی آپؐ ملک الجبال کی پیش کش کو یہ کہہ کر رد کر دیتے ہیں کہ

"میں امید رکھتا ہوں کہ اللہ ان کی پشتوں سے ایسے لوگ پیدا فرمائے گا جو اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کریں گے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں گے"[35]

پھر مکہ مکرمہ واپس جانے کی بات پر حضرت زیدؓ بن حارثہ نے عرض کیا کہ اہلِ مکہ نے تو آپؐ کو نکال دیا تھا اب ہم واپس کیسے جائیں گے تو فرمایا: "۔۔۔ زید تو دیکھے گا کہ اللہ کیسے کشادگی کرے گا اور کیسے راستے بنائے گا۔ اللہ اپنے دین کو غالب اور نبی کی مدد کرنے والا ہے"۔ لہٰذا اچھے وقت اور اچھے حالات کی امید کا دیا جلائے رکھنا چاہیے۔ اسی کو اللہ تعالیٰ نے **انّ مع العسر یسرا** میں بیان فرمایا۔

3- مشکل اور پریشانی کے وقت میں پہلا عمل دعا ہونا چاہیے:

انگور کے باغ میں پناہ لیتے ہی آپؐ نے دعا فرمائی۔ دعا مومن کا ہتھیار ہے لہٰذا ہر مشکل وقت میں پہلا کام یہی ہونا چاہیے۔ آپؐ کی اس دعا سے ماخوذ چند اہم نکات درج ذیل ہیں:

- اپنے مصائب و آلام کا شکوہ صرف اللہ کے حضور کرنا چاہیے۔ انبیائے کرام کی سنت یہی ہے۔ حضرت یعقوبؑ حضرت یوسفؑ کی جدائی پر اللہ سے شکوہ فرماتے ہیں:

  اِنَّمَآ اَشۡكُوۡا بَثِّیۡ وَحُزۡنِیۡۤ اِلَی اللّٰهِ[36]

  "میں اپنی پریشانی اور اپنے غم کی فریاد اللہ کے سوا کسی سے نہیں کرتا"۔

اسی طرح آپؐ زخموں سے چور، اہلِ طائف کی بدکلامی، گستاخی اور بدسلوکی پر نہایت محزون و مجروح دل کے ساتھ اللہ سے یوں مخاطب ہیں۔

"اے اللہ میں تجھ سے اپنی کمزوری و بے بسی اور لوگوں کے نزدیک اپنی بے وقعتی کی شکایت کرتا ہوں۔ تونے مجھے کس کے حوالے کر دیا ہے؟ کسی اجنبی کے جو مجھ سے ترش روئی اور درشتی سے پیش آئے؟ یا کسی دشمن کے جس کو تُو نے میری قسمت کا معاملہ سونپ دیا ہے"۔

یہ دعا بلاشبہ گلے شکوے پر مبنی ہے لیکن قابلِ غور پہلو یہ ہے کہ اولاً آپؐ اللہ کا شکوہ صرف اللہ سے کر رہے ہیں۔ آپؐ نے حضرت زیدؓ بن حارثہ سے یہ نہیں کہا کہ دیکھو میرے ساتھ کیا ہو رہا ہے؟ گویا اللہ کا شکوہ انسانوں سے نہیں کرنا چاہیے۔ ثانیاً آپؐ کی دعا میں وہ الفاظ و انداز نہیں ہے جو ہمارے معاشرے میں بالعموم دکھائی دیتا ہے کہ "آخر میرے ہی ساتھ یہ سب کیوں ہو رہا ہے؟ میں نے کیا کیا ہے؟" وغیرہ وغیرہ۔ آپؐ نے یہ نہیں فرمایا کہ "یا اللہ مجھے تو تُو نے خود اس مشن اس کارِ عظیم کے لیے چُنا مجھے خود لوگوں کو دعوتِ حق دینے کا حکم دیا۔ میں تو تیرے ہی کام میں مشغول ہوں پھر میرے ساتھ یہ کیوں ہو رہا ہے"؟ کوئی دوسرا ہوتا تو کہہ دیتا کہ اے میرے رب آپ ساری مخلوق کے خالق ہیں اور میری نصرت پر قادر ہیں تو پھر میں کیوں ذلیل کیا جا رہا ہوں۔[37] لہٰذا اللہ سے اور صرف اسی سے شکوہ بجا ہے۔

❖ جس معاشرے میں آپ رہتے ہیں اس میں آپ کی اتنی وقعت و عزت ہونی چاہیے کہ لوگ آپ کی بات سنیں۔ آپؐ کی ایک اور دعا بھی اس پر دلالت کرتی ہے فرمایا:

اللھم اجعلنی فی عینی صغیرا و فی اعین الناس کبیرا[38]

"اے اللہ مجھے میری نگاہوں میں چھوٹا اور لوگوں کی نگاہوں میں بڑا بنا دے"۔

گویا معاشرے میں ایک باعزت مقام کے لیے اللہ کے حضور دعا گو بھی رہنا چاہیے تاہم اپنے معاملات، اپنے افعال و اعمال کی کڑی نگرانی بھی ضروری ہے۔ مبادا انسان سے ایسے کام سرزد ہو جائیں کہ وہ اپنا مقام کھو بیٹھے۔ البتہ کبھی یہ بے وقعتی آزمائش بھی ہوتی ہے۔

❖ ابتلاء و آزمائش کا ایک سبب اللہ کا غضب اور ناراضی بھی ہو سکتی ہے اس سے محتاط رہنا چاہیے:

آپؐ فرماتے ہیں:

ان لم یکن علی غضب فلا ابالی "اگر تو مجھ سے ناراض نہیں تو مجھے ان تکلیفوں کی ذرا پرواہ نہیں"

پھر فرماتے ہیں:

"میں تیرے چہرے کے اس نور کی پناہ چاہتا ہوں جس سے تاریکیاں روشن ہو جاتی ہیں اور جس سے دنیا و آخرت کے معاملے سنور جاتے ہیں کہ تو مجھ پر اپنا غضب نازل کرے یا تیری ناراضی مجھ پر اترے۔"

اس سے واضح ہوتا ہے کہ مصائب و تکالیف اللہ کے غضب کا نتیجہ بھی ہو سکتی ہیں بنابریں اپنے اعمال بد کے بھیانک نتائج سے ڈرنا چاہیے۔ یہ آفاقی اصول ہے کہ مصائب مشکلات کا سبب بنتے ہیں۔ قدیم تہذیبوں میں بھی یہ تصور موجود تھا مثلاً قدیم بابلیوں کا اعتقاد یہی تھا کہ انسان جو کچھ بھی کرے اچھا یا برا، دیوتا اس سے خوش یا ناراض ہو کر فوراً اسی زندگی میں اس کا حساب چکا دیتے ہیں۔ سوان کا عقیدہ تھا کہ کسی مقدس موقع یا مقام پر کوئی بے ادبی ہو جاتی یا پھر قربانی یا بھینٹ نہ چڑھائی جاتی تو دیوتا ناراض ہوتے اور پھر اس پر مصائب کا دروازہ کھل جاتا۔[39]

قرآن کریم نے اس تصور کو بہترین انداز میں پیش کیا ہے۔ اس مفہوم کی حامل متعدد آیات ہیں مثلاً:

وَالَّذِينَ كَسَبُوا السَّيِّئَاتِ جَزَاءُ سَيِّئَةٍ بِمِثْلِهَا وَتَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ[40]

"اور جنھوں نے برے کام کیے تو برائی کا بدلہ ویسا ہی ہو گا اور ان کے مونہوں پر ذلت چھا جائے گی"۔

اور

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيقَهُمْ بَعْضَ الَّذِي عَمِلُوا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ[41]

"خشکی اور تری میں لوگوں کے اعمال کے سبب فساد پھیل گیا ہے تاکہ خدا ان کو ان کے بعض اعمال کا مزہ چکھائے عجب نہیں کہ وہ باز آجائیں"۔

آپؐ کی دعا اس تصور اور عقیدے کی بہترین عکّاس ہے اور ہمارے لیے زریں اصول ہے کہ زندگی میں آسانیاں اور عافیت چاہیے تو ہر اس عمل سے اجتناب کیا جائے جس پر اللہ تعالیٰ غضبناک ہوں یا ان کا عذاب اترے۔

اوراق تاریخ کی روشنی میں ہم دیکھتے ہیں کہ صحابہ و تابعین، صلحائے امت تمام سلاف اس معاملے میں بہت محتاط رہا کرتے اور زندگی میں آنے والی ہر مشکل اور مصیبت کا سبب اپنی ہی کسی غلطی یا لغزش کو سمجھتے۔ مثلاً ابن الجوزی لکھتے ہیں "حضرت فضیلؒ بن عیاض فرمایا کرتے کہ مجھ سے جب کسی معصیت کا صدور ہوتا ہے تو مجھے اس کا احساس اپنی سواری اور باندی کے برتاؤ سے ہو جاتا ہے لہٰذا جب تم اپنے کسی حال میں تغیّر محسوس کرو تو غور کرو کہ کسی نعمت کی ناشکری تو نہیں ہو گئی یا کوئی لغزش تو سرزد نہیں ہو گئی اور نعمتوں کے چھن جانے اور ذلتوں کے اچانک آجانے سے ڈرتے رہو۔ حلم خداوندی کی وسعت سے دھوکے میں نہ رہو۔[42]

اور اس کے ساتھ ساتھ یہاں ایک بیش قیمت سبق یہ پنہاں ہے کہ مومن کی سب سے بڑی پریشانی یا اس کا بڑا فکر یہ ہونا چاہیے کہ اللہ اس سے ناراض تو نہیں۔ سب سے بڑا خوف اللہ کی خفگی کا خوف ہونا چاہیے۔ آپؐ نے واضح الفاظ میں فرمایا کہ اگر یہ سلوک آپؐ کی ناراضی کے سبب نہیں ہے تو پھر سب خیر ہے"۔[43]

اس کی تائید و توثیق آپؐ کی اس دعا سے ہوتی ہے:

اللھم لا تجعل الدنیا اکبر ھمنا[44]

❖ **عافیت کے لیے دعا گو رہنا چاہیے:**

بے شک آزمائش اللہ کی سنت ہے اور ہر بہترین انسان بہت زیادہ آزمائش سے گزارا گیا اس کے باوجود حضورؐ کا یہ فرمان:

ولکن عافیتک ھی اوسع لی ”پھر بھی تیری طرف سے عافیت و سلامتی میرے لیے زیادہ دلکشا ہے“

ہمیں سکھا رہا ہے کہ اللہ سے عافیت ہی کا سوال کرنا چاہیے۔ آپؐ کی چند دیگر دعائیں اسی کی تائید و توثیق کرتی ہیں:

حضرت ابن عباسؓ نے آپؐ سے پوچھا کہ یا رسول اللہ مجھے سکھایئے کہ اپنے رب سے کیا مانگوں فرمایا: ”سل ربک **العافیۃ فی الدنیا و الآخرۃ**“[45]

اللھم عافنی فی بدنی، اللھم عافنی فی سمعی، اللھم عافنی فی بصری لا الٰہ الا انت۔[46]

اور

سلو اللہ العافیۃ و الیقین فی الآخرۃ و الاولی۔[47] **طاقت و قوت کا اصل سرچشمہ صرف اللہ کی ذات ہے:**

دعا کے آخر میں فرمایا ”تیری ذات کے سوا نہ میرے پاس کوئی طاقت ہے نہ قوت“

یعنی شدید رنج و غم، پریشانی اور مصیبت کے وقت مسلمان کے قلب و ذہن میں راسخ ہونا چاہیے کہ طاقت و قوت کا اصل سرچشمہ اللہ کی ذات ہے۔ میرے مسائل حل کرنے، میری مصیبتیں دور کرنے کی طاقت اسی کے پاس ہے اور اس کا دوسرا مطلب یہ ہے کہ میرے دشمن یا مخالفین کتنے ہی طاقت ور کیوں نہ ہوں اللہ سب سے زیادہ طاقت ور اور قوی ہے۔

اسی لیے لاحول ولا قوۃ کو جنت کے خزانوں میں سے ایک[48] قرار دے کر اسے پڑھنے کی ترغیب دلائی گئی ہے۔ آپؐ کے فرمان مبارک کے مطابق اسے پڑھنے سے ۹۹ بلائیں دور ہو جاتی ہیں جن میں سب سے ہلکی ترین بلا رنج و غم ہے۔[49]

❖ **مضرت رساں معاملات کو حتی الامکان پوشیدہ رکھنا چاہیے**

روسائے ثقیف کی بدکلامی کے بعد جب آپؐ وہاں سے اٹھے تو فرمایا ”تم کو جو کرنا تھا تم نے کیا لیکن جو کچھ تم نے کیا اس کی اطلاع میرے شہر اور میری قوم تک مت پہنچانا“۔ آپؐ جانتے تھے کہ اہلِ طائف کی اس گستاخی و بدسلوکی کے بارے میں جان کر اہلِ مکہ آپؐ کی تعذیب پر اور زیادہ دلیر ہو جائیں گے۔[50]

آپؐ کی حیات مبارکہ سے اس کی متعدد مثالیں ملتی ہیں مثلاً آپؐ مکّہ تشریف لائے تو اپنے اصحاب سے جن کو بخار کے سبب کمزوری ہو گئی تھی حکم دیا کہ سعی میں رمل کرو[51] اور حکم دیا کہ جو شخص اپنے جسم سے طاقت کا مظاہرہ کرے گا اللہ اس پر رحم فرمائے گا۔[52]

مشاہیر سے اس کی متعدد مثالیں ملتی ہیں: حضرت امیر معاویہ مرض الموت میں تھے لوگوں نے ملنے کی اجازت چاہی تو فرمایا کہ مجھے بٹھا دو۔ چنانچہ ٹیک لگا کے قاعدے سے بیٹھ گئے جس سے لگتا تھا کہ وہ عافیت سے ہیں۔ عیادت کرنے والے چلے گئے تو انھوں نے ایک شعر پڑھا جس کے معنی ہیں "میں اپنی قوت کا مظاہرہ اپنے دشمن کے سامنے کر کے ان کو دکھانا چاہتا ہوں کہ میں گردش زمانہ کے آگے جھکنے والا نہیں ہوں"۔

سو جب کوئی ایسا حادثہ پیش آئے جو انسان کا مرتبہ گھٹانے والا ہو تو اس حادثے اور مصیبت کو چھپانا چاہیے تاکہ حقارت سے نہ دیکھا جائے۔ مانگنے والے سے دست کش غریب اپنا حال چھپائے تاکہ اس کو ترس کی نگاہ سے نہ دیکھا جائے اور بیمار اپنا حال چھپائے تاکہ صحت مند دشمن خوشی نہ منائے"۔[53]

4- اسباب اختیار کرنا لازم ہے:

ایک عام آدمی کے نکتہ نگاہ سے دیکھا جائے تو ملک الجبال کی پیش کش کے بعد آپؐ کو بہت اطمینان و اعتماد کے ساتھ مکہ جانا چاہیے تھا۔ آپؐ ملک الجبال سے کہتے کہ "آپ میرے ساتھ ساتھ رہیے اور اہلِ مکہ جب مجھے تنگ کریں تو آپؐ انھیں پتھر ماریے گا۔" لیکن ایسا کچھ نہیں ہوا۔ آپؐ مکہ کے قریب پہنچے تو تین مختلف افراد کے پاس قاصد بھیجا کہ کیا تم مجھے پناہ دو گے؟ مطعم بن عدی کی پناہ لے کر واپس مکہ مکرمہ لوٹنا اس امر کی واضح و بیّن دلیل ہے کہ اسباب اختیار نہ کرنا توکل کی ایک غلط تعبیر ہے۔ بالفاظ ابن الجوزیؒ اللہ نے امور کو اسباب سے متعلق کیا ہے تاکہ اس کا بندہ وقت ضرورت انھیں اختیار کرنے کے لیے جھکے۔ دیکھو کہ مطعم بن عدی کی امان لیے بغیر جو خود کافر تھے، آپؐ مکہ واپس نہیں آسکے۔ یہی اخذ اسباب کا بڑا ثبوت ہے"۔[54]

آپؐ کی حیات مبارکہ کا ہر دن ہر لمحہ اس پر دالّ ہے کہ آپؐ نے تمام ممکن اسباب و وسائل سے کاربر آری کے بعد معاملے کو اللہ کے حوالے کیا۔ میدانِ بدر ہی کو دیکھ لیں۔ بہترین مقام کا انتخاب کر کے، تمام مہیا اسباب و وسائل اختیار کرنے کے بعد، بہترین صف بندی کا منصوبہ بنانے کے بعد آپؐ اللہ کے حضور دعا گو ہیں اور وہ دعا اس تضرّع سے کر رہے ہیں گویا سارا مدار صرف مدد و نصرت الٰہی پر ہے جو بلا شبہ ہے لیکن اسباب اختیار کرنے کے بعد۔

ہماری تاریخ شاہد ہے کہ ہم نے جب بھی ضروری اسباب اختیار کیے بغیر توکل کیا بدترین شکست ہمارا مقدر ٹھہری۔ اٹھارویں صدی کے اواخر میں جب نپولین نے مصر پر حملہ کیا تو مراد بک نے جامع ازھر کے علماء کو جمع کر کے ان سے مشورہ کیا تھا کہ اب کیا کرنا چاہیے۔ علماء ازہر نے بالاتفاق یہ رائے دی تھی کہ جامع ازہر میں صحیح بخاری کا ختم شروع کر دینا چاہیے کہ انجاح مقاصد کے لیے تیر بہدف ہے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا لیکن ابھی صحیح بخاری کا ختم، ختم نہیں ہوا تھا کہ اہرام کی لڑائی نے مصری حکومت کا خاتمہ کر دیا۔ شیخ عبد الرحمٰن الجبرتی نے اس عہد کے چشم دید

حالات قلم بند کیے ہیں اور بڑے عبرت انگیز ہیں۔ انیسویں صدی کے اوائل میں جب روسیوں نے بخارا کا محاصرہ کیا تھا تو امیر بخارا نے حکم دیا کہ تمام مدرسوں اور مسجدوں میں ختم خواجگان پڑھا جائے۔ ادھر روسیوں کی قلعہ شکن توپیں شہر کا حصار منہدم کر رہی تھیں۔ ادھر لوگ ختم خواجگان کے حلقوں میں بیٹھے "**یامقلب القلوب یا محول الاحوال**" کے نعرے بلند کر رہے تھے۔ بالآخر وہی نتیجہ نکلا جو ایک ایسے مقابلے کا نکلنا تھا جس میں ایک طرف گولہ بارود ہو اور دوسری طرف ختم خواجگان۔ دعائیں ضرور فائدہ پہنچاتی ہیں مگر انھی کو پہنچاتی ہیں جو عزم و ہمت رکھتے ہیں۔ بے ہمتوں کے لیے تو وہ ترکِ عمل اور تعطلِ قویٰ کا حیلہ بن جاتی ہیں"۔[55]

5- آزمائش سنت الٰہی ہے اس کے بعد نصرت الٰہی کا نزول ضرور ہوتا ہے

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَ لَنَبلُوَنَّكُم بِشَيءٍ مِّنَ الخَوفِ وَ الجُوعِ وَ نَقصٍ مِّنَ الاَموَالِ وَ الاَنفُسِ وَ الثَّمَرٰتِ وَ بَشِّرِ الصّٰبِرِينَ[56]

"اور ہم ضرور تمھیں خوف و خطر، فاقہ کشی، جان و مال کے نقصانات اور آمدنیوں کے گھاٹے میں مبتلا کر کے تمھاری آزمائش کریں گے ان حالات میں جو لوگ صبر کریں ان کے لیے بشارت ہے۔"

ایک مقام پر فرماتے ہیں:

هُنَالِكَ ابتُلِيَ المُومِنُونَ وَ زُلزِلُوا زِلزَالًا شَدِيدًا[57]

"اس وقت ایمان لانے والے خوب آزمائے گئے اور بری طرح ہلا مارے گئے۔"

تمام انبیائے کرام اسی آزمائش کی بھٹی سے گزارے گئے اور کائنات کے بہترین انسان کو اسی آزمائش سے گزرنا پڑا تو ایک عام انسان کو ہرگز زیب نہیں دیتا کہ ذرا ذرا سی تکلیف پہ اللہ سے نالاں ہو جائے جو ہمارے معاشرے میں عام مشاہدے میں آتا ہے۔ اس آزمائش سے گزارنے کے بعد اللہ تعالیٰ نصرت کا غیبی بندوبست کرتے ہیں۔ حضرت ابراہیمؑ آتش نمرود میں ڈالے گئے تو وہ ٹھنڈی کر دی گئی۔ اسمٰعیلؑ کو ذبح کرنے کے لیے لٹالیا اور چھُری چلادی تو اللہ نے ان کی جگہ مینڈھا لٹا دیا۔ یعقوبؑ رنج و غم سے نابینا ہو گئے تو بیٹے سے ملادیا اور بصارت بھی بخش دی۔ اسی طرح آپؐ طائف میں شدید زخمی ہونے کے بعد ملک الجبال تشریف لائے وہ آپؐ کو پہلا پتھر لگنے پر بھی تو بھیجے جاسکتے تھے! لیکن ایسا نہیں ہوا۔ اللہ اپنے بندوں کو ضرور بالضرور آزماتے ہیں اور صبر کرنے والے کے لیے بشارت ہے۔

تاریخ اسلام کا ہر ورق شاہد ہے کہ جس جس نے اس قانون قدرت کو سمجھ لیا اس نے میدان نہیں چھوڑا اور اس پر تحمل شدائد آسان ہو گیا۔ مثلاً امام احمد بن حنبل فتنہ خلق قرآن میں شدید تکالیف و اذیت جھیلتے رہے لیکن اپنے مؤقف پر ڈٹے رہے۔

احسان کی قدر شناسی:

اللہ رب العزت فرماتے ہیں:

هَل جَزَآءُ الإِحسَانِ اِلّا الإِحسَانُ[58]

احسان کا بدلہ احسان سے دینا حکم الٰہی ہے اور اسوہ رسولؐ اکرم ہے۔ آپؐ کی حیات مطہرہ اس کا عملی نمونہ ہے۔ چنانچہ سینکڑوں مثالیں ملتی ہیں کہ آپؐ اپنے محسنوں کو ہمیشہ یاد رکھتے اور ان کے احسان کا بدلہ احسان سے دیتے اور ایسا ممکن نہ ہوتا تو اپنے محسنوں کو اچھے الفاظ میں یاد رکھ کر احسان کا تذکرہ زندہ رکھتے۔ طائف سے واپسی پر آپؐ مطعم بن عدی کی پناہ لے کر واپس مکہ مکرمہ لوٹے۔ مطعم کے اس نیک عمل کو حضورؐ نے ہمیشہ یاد رکھا۔ غزوہ بدر میں کفار کثیر تعداد میں اسیر بن کر مدینہ منورہ آئے۔ حضرت جبیر بن مطعم کچھ قیدیوں کی رہائی کے لیے آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپؐ نے فرمایا: "اگر مطعم زندہ ہوتا اور ان بدبودار لوگوں کے لیے بات کرتا تو اس کی خاطر میں ان سب کو چھوڑ دیتا"[59]

زندگی میں کوئی بڑا اور اہم کام بلا مزاحمت نہیں ہو سکتا:

بے وقوفوں کی طرف سے پتھر تو آئیں گے ہی کوئی بڑا کام بلا مزاحمت ہو ہی نہیں سکتا۔ لہٰذا اس سے بد دل نہیں ہونا چاہیے۔ حالات کبھی کسی کے لیے مساعد نہیں ہوتے سو ساز گار حالات کے منتظر بے ثمر زندگی بسر کر کے چلے جاتے ہیں۔ انھی مزاحمتوں اور رکاوٹوں کے بیچوں بیچ اپنے لیے راستہ بنانا اور آگے بڑھنا حضور کے اسوۂ مبارک کا خاص پہلو ہے۔ آپؐ نے یہ سخت ترین تجربہ کیا واپس مکہ مکرمہ آئے اور پھر اسواق عرب اور زائرین بیت اللہ سے ملنے ملانے اور عرضِ دعوت کا سلسلہ شروع کر دیا باوجود کفار کی سخت مزاجی کے باوجود ان کی درشتی کے۔ شیخ سعدی فرماتے ہیں: "طلب گار کو صابر اور بردبار ہونا چاہیے اس لیے کہ میں نے کسی کیمیا گر کو (جس کی ساری عمر سعی پیہم میں گزرتی ہے) ملول ہوتے نہیں دیکھنا۔[60] آپؐ اس کی عدیم النظیر مثال ہیں۔

8- اخلاص کے ساتھ بھرپور کوشش پر نعمت غیر مترقبہ کا نزول ہوتا ہے:

اخلاص سے بھرپور کوشش کرنے والا مکمل ناکام نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ وہاں سے نوازتے ہیں جہاں سے انسان کا گمان بھی نہ ہو۔ حضورؐ کے طائف کے سفر کے دوران حضرت عداسؓ آپؐ پر ایمان لے آئے۔ گو بعض سیرت نگار اس سے اتفاق نہیں کرتے۔ تاہم عداسؓ نے اس موقع پر آپؐ کو اللہ کا رسول مانا اور آپؐ کا بہت اکرام کیا۔ آپؐ کے سر، ہاتھوں اور قدموں کا بوسہ لیا۔ ابن حجر کے مطابق عداس نے نبیؐ سے کہا "اشھد انک عبداللہ و رسولہ"[61] غزوہ بدر کی روداد بزبان حضرت حکیمؓ بن حزام میں ہم پڑھتے ہیں کہ حضرت عداسؓ ثنیۃ البیضا پر بیٹھتے تھے۔ لوگ ان کے سامنے سے گزر کر بدر کی طرف آ رہے تھے۔ جب انھوں نے اپنے مالک عتبہ اور شیبہ کو دیکھا تو اچانک چھلانگ لگا کر ان کے سامنے آ گئے۔ اور ان کی

ٹانگیں پکڑ کر کہنے لگے۔ میرے ماں باپ تم پر قربان، اللہ کی قسم! حضرت محمدؐ اللہ کے رسول ہیں۔ تم اپنی ہلاکت کی طرف جارہے ہو۔[62] یعنی سفر طائف کے دوران طائف میں اسلام کی تخم ریزی تو ہو گئی۔

طائف سے واپسی پر راستے میں آپؐ نے نخلہ میں قیام کیا۔ وہاں عشا یا تہجد یا فجر کی نماز پڑھ رہے تھے۔ تلاوتِ قرآن جاری تھی کہ جنوں کے ایک گروہ کا ادھر سے گزر ہوا اور وہ آپ کی قرات سننے کے لیے ٹھہر گیا۔ اس مکمل واقعے کا تذکرہ سورہ الاحقاف میں موجود ہے۔

وَاِذصَرَفْنَآ اِلَیکَ نَفَرًا مِنَ الجِنّ یَستَمِعُونَ القُراٰنَ فَلَمّا حَضَرُوہُ قَالُوٓا اَنصِتُوا فَلَمّا قُضِیَ وَلّوا اِلٰی قَومِھِم مُّنذِرِینَ O قَالُوا یٰقَومَنَآ اِنّا سَمِعنَا کِتٰبًا اُنزِلَ مِنم بَعدِ مُوسٰی مُصَدِّقًا لِّمَا بَینَ یَدَیہِ یَھدِیٓ اِلَی الحَقِّ وَاِلٰی طَرِیقٍ مُستَقِیمٍ O یٰقَومَنَآ اَجِیبُوا دَاعِیَ اللہِ وَاٰمِنُوا بِہٖ یَغفِر لَکُم مِّن ذُنُوبِکُم وَیُجِرکُم مِّن عَذَابٍ اَلِیمٍ O وَمَن لاَّ یُجِب دَاعِیَ اللہِ فَلَیسَ بِمُعجِزٍ فِی الاَرضِ وَلَیسَ لَہٗ مِن دُونِہٖٓ اَولِیَآءُ اُولٰٓئِکَ فِی ضَلٰلٍ مُّبِینٍ[63]

"(اور وہ واقعہ قابلِ ذکر ہے) جب ہم جنوں کے ایک گروہ کو تمھاری طرف لے آئے تھے تا کہ وہ قرآن سنیں۔ جب وہ اس جگہ پہنچے (جہاں تم قرآن پڑھ رہے تھے) تو انھوں نے آپس میں کہا خاموش ہو جاؤ پھر جب وہ پڑھا جا چکا تو وہ خبر دار کرنے والے بن کر اپنی قوم کی طرف واپس پلٹے انھوں نے جا کر کہا اے ہماری قوم کے لوگو! ہم نے ایک کتاب سنی ہے جو موسیٰؑ کے بعد نازل کی گئی ہے۔ تصدیق کرنے والی ہے اپنے سے پہلے آئی ہوئی کتب کی اور رہنمائی کرتی ہے حق و راست کی طرف۔ اے ہماری قوم کے لوگو اللہ کی طرف بلانے کی دعوت قبول کرلو اس پر ایمان لے آؤ وہ تمھارے گناہوں سے در گزر کرے گا اور تمھیں عذاب الیم سے بچالے گا۔"

مودودیؒ اس آیت کے ذیل میں لکھتے ہیں "ادھر سے جنوں کے ایک گروہ کا گزر ہوا انھوں نے قرآن سنا ایمان لائے اور جا کر اپنی قوم میں اسلام کی تبلیغ شروع کی۔ اللہ نے اپنے نبی کو یہ خوش خبری سنائی کہ انسان چاہے آپؐ کی دعوت سے بھاگ رہے ہوں مگر بہت سے جن اس کے گرویدہ ہو گئے ہیں اور وہ اسے اپنی جنس میں پھیلا رہے ہیں"۔[64] یہ آپؐ کے لیے نعمت غیر مترقبہ تھی۔

خلاصہ بحث:

گذشتہ صفحات میں آپؐ کے سفر طائف کے مختصر حالات اور سفر سے ماخوذ چند اسباق قلم بند کیے گئے ہیں۔ جو نہ صرف ہماری روز مرہ زندگی میں آنے والے مسائل و مشکلات کے حل میں مدو معاون ہیں بلکہ زندگی کے تلخ ترین اوقات میں ہمت و حوصلہ اور اولوالعزمی کا ایک عملی نمونہ پیش کرتے ہیں۔ صحیح معنوں میں ہم صرف سیرت النبیؐ سے ہی یہ قیمتی راز جان سکتے ہیں کہ بدترین حالات میں بھی زندگی کے خاتمے کی خواہش کے بجائے اگلے دن میں قدم رکھنے کا حوصلہ کیسے

پیدا ہو سکتا ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ سیرت النبیؐ کا مطالعہ ہمارے معمولاتِ زندگی میں شامل ہو۔ اس کے لیے لازمی ہے کہ سکول کی سطح سے کتب سیرت کا مطالعہ نصاب میں لازم قرار دیا جائے اور اس سے استنباط، تفکر و تدبر تلامذہ کو سکھایا جائے۔

حوالہ جات

[1] بخاری ابو عبداللہ محمد بن اسمٰعیل، **الجامع الصحیح**، مشمولہ موسوعہ الکتب الستۃ، ریاض دارالاسلام، طبع اول 2000ء، ح: 3231

- Bukhari abu Abdullah Muhammad bin Isma'il, *al-Jami' as-Sahih*, in Mawsua al-Kutub as-Sitta, (Riyadh, Dar as-Salam, 2000), H: 3231

[2] ابوالحسن علی ندوی، **سیرۃ خاتم النبیین**، (بیروت مؤسسۃ الرسالہ، طبع: 13، 1993ء)، ص: 92

- Abu al-Hasan 'Ali Nadvi, *Seerat Khaatam an-Nabiyyin*, (Beirut, Muassassa ar-Risala 13,16 ed 1993), p: 92

[3] ابن ہشام، **السیرۃ النبویہ**، (بیروت دارالکتاب العربی، طبع ثالث 1990ء)، 2: 67

- Ibn Hisham, *as-Seerah an-Nabawiyya*, (Beirut Dar al-Kitab al-Arabi, 3rd ed. 1990), 2: 67

[4] ابن عساکر علی بن الحسن، **تاریخ مدینۃ دمشق**، (بیروت دارالفکر، طبع اول 1998ء)، 66: 339

- Ibn 'Asakar 'Ali bin al-Hasan, *Tareekh Madinatu Damashq*, Beirut Dar al-Fikr, 1st ed. 1998), 66: 339

[5] طبری ابو جعفر محمد بن جریر، **تاریخ الرسل والملوک**، (مصر دارالمعارف، طبع ثانی، س ن)، 2: 339؛ ابن سعد، محمد بن سعد بن منیع، الطبقات الکبریٰ، (مصر المکتبہ الخانجی)، س ن، 1: 179۔180۔

- Tabari abu Ja'far Muhammad bin Jareer, *Tareekh ur-Rusul wa al-Malook*, (Misr Dar al-Maarif, 2nd ed., n.d.) 2: 339; Ibn Sa'ad Muhammad bin Manee', at-Tabaqat al-Kubraq, (Misr Maktaba Khaanjee) 1: 179-180.

[6] ابن الاثیر عزالدین ابوالحسن علی بن الکریم، **الکامل فی التاریخ**، (بیروت دارالکتاب العربی)، 2012)

- Ibn al-Asser 'Azzud Din abu al-Hasan 'Ali bin al-Kareem, *al-Kaamil fi at-Taareekh*, (Beirut Dar al-Kitab al-'Arabi 2012),

[7] ابن سعد، **الطبقات الکبریٰ**، 1: 180

- Ibn Sa'd, *at-Tabaqat al-Kubraa*, 1: 180

[8] ابن الجوزی عبدالرحمن بن علی، **المنتظم فی تاریخ الملوک والامم**، (بیروت دارالکتب العلمیۃ، طبع اول 1992)، 3: 12۔13

- Ibn al-Jawzi, 'Abd ar-Rahmaan bin 'Ali, *al-Muntazim fi Taareekh ul-Malook wa al-Uman*, (Beirut Dar al-Kutub al-'Ilmiyya, 1st ed 1992) 3: 12-13

[9] الدیار بکری حسین بن محمد، **تاریخ الخمیس فی احوال انفس نفیس**، (مؤسسہ شعبان، س ن)، 1: 306

- Ab-Diyaar Bakree Husayn bin Ahmad, *Taareekh al-Khames fi Ahwaal Anfus Nafees*, (Beirut Muassassa Sha'baan, n.d.) 1: 306

[10] محمد ابوزہرہ، **خاتم النبیین** (دارالفکر العربی، س ن)، 1:455

- Muhammad abu Zahra, *Khaatam an-Nabiyyin*, (Beirut Daar ul-Fikr al-'Arabi, n.d.) 1: 455

[11] ابن سعد، الطبقات، 1:181-183 بروایت دیگر آپ وہاں ایک ماہ ٹھہرے لیکن ایک ماہ کی تفصیل یہ ہے کہ آپ 10 دن طائف میں ٹھہرے اور باقی 20 دن طائف کے قرب وجوار اور راستوں میں دعوتِ حق دیتے رہے۔

- Ibn Sa'd, *at-Tabaqaat*, 1: 181-183

[12] ابن سعد، **الطبقات**، 1:182

- Ibd, 1: 182

[13] البلاذری احمد بن یحییٰ، **انساب الاشراف**، (بیروت مؤسسہ العلمی للمطبوعات، س ن)، 1:153

- Al-Baladhuri Ahmad bin Yahya, *Ansaab al-Ashraaf*, Beirut Muassassa al-'Ilmi, n.d.) 1: 153

[14] ابن ہشام، **السیرۃ النبویہ**، 2:68

- Ibn Hisham, *as-Seerah an-Nabawiyyan*, 2: 68

[15] ایضاً، 2:67

- Ibid, 2: 67

[16] ابن سعد، **الطبقات**، 1:182

- Ibn Sa'd, *at-Tabaqaat*, 1: 182

[17] ابن الاثیر ابوالحسن علی، **الکامل فی التاریخ**، 1:685

- Ibn al-Akheer, *al-Kaamil*, 1: 685

[18] ابن ہشام، **السیرۃ النبویۃ**، 2:68

- Ibn Hisham, *as-Seerah*, 2: 68

[19] ایضاً، ص: 286 بعد

- Ibid, p: 286

[20] مسلم بن حجاج القشیری، **الجامع الصحیح**، مشمولہ موسوعہ الکتب الستۃ، (ریاض دارالسلام طبع اول 2000)، ح: 1795

- Muslim bin Hajjaz al-Qushiri, *al-Jami' as-Sahih*, in *Mawsua al-Kutub as-Sitta* (Riyadh Dar-as-Salam, 1st ed. 2000), H: 1795

[21] ابن ہشام، **السیرۃ**، 2:69

- Ibn Hisham, *as-Seerah*, 2: 69

[22] ابن ہشام، **السیرۃ**، 2:69

- Ibn Hisham, as-Seerah, 2: 69

[23] ابن سعد، **الطبقات**، 1: 181 بعد

- Ibn Sa'd, *at-Tabaqaat*, 1: 181

[24] Victor E. Frankl, Man's Search for Meaning, p: xi

[25] وحید الدین خان، **رازِ حیات**، (فکشن ہاؤس)، 2009ء، ص: 8-9

- Waheed ud-Din Khan, *Raaz-e-Hayaat*, (Lahore Fiction House, 2009) p. 8-9

[26] واصف علی واصف، **قطرہ قطرہ قلزم**، لاہور کاشف پبلیکیشنز، 1999ء)، ص: 57

- Wasif 'Ali Waasif, *Qatra Qatra Zulzam*, (Lahroe Kashif Publications, 1999)p: 57

[27] آزاد ابو الکلام، **غبارِ خاطر**، (لاہور مکتبہ جمال، 2006ء)، ص: 71

- Azaad abu al-Kalam, *Ghubaar-e-Khaatir*, (Lahore Maktaba Jamal, 2006) P: 71

[28] وحید الدین خان، **راز حیات**، ص 8-9

- Waheed ud-Din Khan, *Raaz e Hayāt*, p: 8-9

[29] ابو الحسن علی ندوی: **حضرت مولانا محمد الیاس اور ان کی دینی دعوت**، (لاہور 2019ء) ص 219

- Abu al-Hasan 'Ali Nadwi, *Hazrat Maulana Muhammad Ilyas aur unki Deeni Da'wat*, (Lahore, 2019), p: 219

[30] سراج دین احمد، **صلاح الدین ایوبی**، (لاہور کتاب میلہ، س ن)، ص: 223

- Siraaj Din Ahmad, *Salah ul-Din Ayyubi*, (Lahore Kitab Mela, n.d.) P: 223

[31] ایضاً، ص: 221

- Ibid, p: 221

[32] سید سلیمان ندوی، **حیاتِ شبلی**، (اعظم گڑھ دار المصنفین شبلی اکیڈمی)، ہند 2008ء)، ص: 516-519

- Syed Sulayman Nadwi, *Hayadt Shibili*, (Azam Garh, Dar al-Musannifeen, Shibli Academy, India 2008), p: 516-519

[33] سعید بن علی قحطانی، **رحمۃ للعالمین**، (ریاض مکتبہ الملک فھد طبع اول 2006)، ص: 222

- Aa'eed bin 'Ali Qahtaani, *Rahmat ul-Lil 'Alameen*, (Riyadh Maktaba al-Malik Fahad, 1st ed. 2006) p: 222

[34] مہدی رزق اللہ، **صفوۃ السیرۃ النبویۃ فی سیرۃ خیر البریۃ**، مملکۃ العربیۃ السعودیۃ، وزارۃ الشؤون الاسلامیہ والاوقاف والدعوۃ، 1433ھ، ص: 150

- Mahdi Rizq Allah, *Safwat us-Seerah fi Khair al-Barriya*, (KSA, Wizaarat ush-Sheoon al-Islamiya wa al-Awqaaf) 1433 AH), p: 150

35 بخاری، **جامع**، ح:3231

- Bukhari, *Jami'*, H: 3231

36 **یوسف**:86

- Yusuf: 86

37 ابن الجوزی، **دل کی دنیا**، ت مفتی محمد حنیف (لاہور، 2006)، 2: 96-97

- Ibn al-Jawzi, *Dil Ki Dunyaa*, tr. By Mufti Muhammad bin Haneef, (Lahore 2006), 2: 96-97

38 الھیثمی نورالدین علی بن ابی بکر، **مجمع الزوائد ومنبع الفوائد**، دار المنھاج طبع اول 2015ء، ح:

- Al-Haithami Noor ul-Din 'Ali bin abi Bakr, *Majma' az-Zawaid wa Manba' al-Fawaid*, (Dar al-Minhaj 1st. ed. 2015),H:

39 مالک رام، **حمورابی اور بابلی تہذیب وتمدن**، (لاہور اپنا ادارہ، 2000ء)، ص197-198

- Maalik Raam, *Hamurabee aur Baabulee Tahdheeb*, (Lahore Apna Idaara, 2000), p: 197-198

40 **یونس**:27

- Yuonas: 27

41 الروم:41

- Alroom-41

42 ابن الجوزی، **دل کی دنیا**، ت مفتی محمد حنیف، 1:22

- Ibn al-Jawzi, *Dil Ki Dunyaa*, tr. Muhammad Haneef, 1: 22

43 مصطفیٰ السباعی، **السیرۃ النبویۃ**، المکتب الاسلامی، طبع ثامن 1985، ص:58

- Mustafa as-Saba'I, *as-Seerah an-Nabawiyya*, (al-Maktab al-Islami, 8th ed. 1985), p: 58

44 ترمذی ابو عیسیٰ محمد بن سورۃ، **سنن ترمذی**، مشمولہ موسوعہ الکتب الستۃ، (ریاض دار السلام 2000ء) ح:3502

- Tirmidhi abu 'Isa Muhammad bin Soorah, *Sunan Tirmidhi*, in Mausua al-Kutub as-Sitta, (Riyadh Dar as-Salaam, 2000), H: 3502

45 ابن ابی شیبہ ابو بکر عبد اللہ بن محمد، **المصنف فی الاحادیث الاثار**، دار التاج بیروت، طبع اول، 1989ء، 6:24

- Ibn abi Shaiba abu Bakr 'Abdullah bin Muhammad, *al-Musanniff fi al-Ahaadeeth wa al-Aathaar*, (Beirut Dar at-Taaj, 1st. ed., 1989), 6: 24

46 **ایضاً**

- Ibid

47 **ایضاً**

- Ibid

[48] ترمذی، **سنن**، ح:3370

- Tirmidhi, *Sunan*, H: 3370

[49] البانی ناصر الدین، **سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ**، مکتبہ المعارف للنشر والتوزیع، س ن)، بذیل حدیث:1528

- Albaani Naasir ad-Din, *Silsila al-Ahaadeeth as-Sahiha* (Riyadh, Maktaba al-Maarif li-Nashr Wa-Tawzee‘ n.d.), H: 1528

[50] محمود المصری، **سیرۃ الرسول**، (قاہرہ مکتبہ الصفاء، طبع اول، 2005ء) ص153

- Muhmood al-Misri, Seerat ur-Rasool, (Qahira, Maktaba as-Safaa, 1st ed. 2005), p: 153

[51] مسلم، **جامع**، ح:1264

- Muslim, *Jami‘*, H: 1264

[52] ایضاً

- Ibid

[53] ابن الجوزی، **دل کی دنیا**، ت مفتی محمد حنیف، 2 :272

- Ibn al-Jawzi, *Dil Ki Dynyaa*, tr. Mufti Muhammad Haneef, 2: 272

[54] ایضاً، 1:204

- Ibid, 1: 204

[55] دیکھیے: آزاد، **غبار خاطر**، ص161-162

- Azaad, *Ghubaar-e-Khaatir*, p: 161-162

[56] البقرہ:155

- Al-Baqarah: 155

[57] الاحزاب:11

- Al-Ahzaab: 11

[58] الرحمن:

- Ar-Rahmaan:

[59] ابن سعد، **الطبقات**، 1: 181

- Ibn Sa‘d, *al-Tabaqaat*, 1: 181

[60] سعدی مصلح الدین شیرازی، **بوستان**، مکتبہ رحمانیہ لاہور س ن، ص120

- Aa‘d Muslihud Din Sheerazi, *Bostaan*, (Lahore Maktaba Rahmaaniya n.d.) p: 120

[61] ابن حجر، شہاب الدین ابو الفضل احمد بن علی، **الاصابہ فی تمییز الصحابہ**، (بیروت دار الکتب العلمیہ، س ن)، 4:228

- Ibn Hajar Shihab ud-Din Ahmad bin ‘Ali, *al-Isaba fi Tamyeez as-Sahaaba*, (Beirut Dar al-Kutub al-‘Ilmiyya, n.d.) 4: 228

[62] واقدی ابو عبد اللہ محمد بن عمر، **کتاب المغازی**، مطبعہ بپٹسٹ مشن، کلکتہ 1855، 1:35

- Waqadi Abu Abddullah Muhammad bin ‘Umar, *Kitab al-Maghaazi*, (Kalkata, Matb‘ Baptist Mission 1855), 1: 35

[63] **الاحقاف**:29:32

Al–Ahqaaf: 29–32

[64] ابو الاعلیٰ مودودی، **تفہیم القرآن**، ادارہ معارف اسلامی، لاہور 3 : 598

- Abu al-‘Alaa Mawdoodi, *Tafheem al-Qur’an*, (Lahore Idara Maarif Islami, n.d.), 3: 598